حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے۔ سیاسی پارٹیاں بدلتے حالات کو بڑی اچھی طرح سمجھتی ہیں اور اسی کی مناسبت سے حکمت عملی بناتی ہیں۔ کسی اتحاد سے الگ ہوتی یا کوئی نیا اتحاد بناتی ہیں یا تنہا انتخابی میدان میں اترنے کا فیصلہ کرتی ہیں۔ 2024 کے حالات 2014 اور 2019 کے حالات سے الگ تھے۔ اسی لیے اس بار کے پارلیمانی انتخابات کے لیے پارٹیوں نے بھی الگ انداز میں انتخابی تشہیر کی۔ حکمراں اتحاد این ڈی اے کی پارٹیوں نے زیادہ سے زیادہ سیٹیں حاصل کرنے کے لیے بڑی جدوجہد کی۔ ان کی انتخابی مہم میں کئی بار مسلمانوں کا ذکر کیا گیا۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس ملک کے مسلمانوں کی اہمیت کتنی زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اب یہ بحث کا الگ موضوع ہے کہ اس بات کا خیال خود مسلمانوں کو ہے یا نہیں ہے۔ اس بار کئی اپوزیشن پارٹیوں نے ایک اتحاد 'انڈیا' کی تشکیل کی تھی مگر ان میں مکمل اتحاد نظر نہیں آیا۔ مغربی بنگال میں آل انڈیا ترنمول کانگریس نے کانگریس اور بایاں بازوں کی پارٹیوں کے ساتھ انتخاب نہیں لڑا، اپنے دم پر بڑی کامیابی حاصل کرنے میں کامیاب رہی۔ وہ سیٹوں کی حصولیابی کے لحاظ سے 29 سیٹیں لے کر بھارتیہ جنتا پارٹی، کانگریس اور سماجوادی پارٹی کے بعد چوتھے نمبر پر رہی۔ اسی طرح کیرالہ میں کانگریس اور بایاں بازوں کی پارٹیوں کے مابین اتحاد نہیں ہوا۔ اس کا فائدہ بھارتیہ جنتا پارٹی کو ملا۔ وہ وہاں کھاتہ کھولنے میں کامیاب رہی۔ اگر کانگریس اور بایاں بازو کے مابین اتحاد ہو جاتا تو بھارتیہ جنتا پارٹی کے لیے کیرالہ میں ایک سیٹ بھی جیتنا مشکل ہو جاتا، کیونکہ ترشور سے اس کے امیدوار سریش گوپی 37.80 فیصد ووٹ حاصل کر کے کامیاب ہوئے جبکہ سی پی آئی کے وی ایس سنیل کمار نے 30.95 فیصد اور کانگریس کے کے مرلی دھرن نے 30.08 فیصد ووٹ حاصل کیے۔ دہلی میں عام آدمی پارٹی اور کانگریس نے مل کر انتخاب لڑا۔ پھر بھی ساتوں سیٹیں جیتنے میں بھارتیہ جنتا پارٹی کامیاب رہی، البتہ اس کے ووٹوں میں اس بار کچھ کمی ہوئی، کانگریس کے ووٹوں میں کچھ زیادہ کمی ہوئی جبکہ عام آدمی پارٹی کے ووٹوں میں خاصا اضافہ ہوا۔ پنجاب میں پچھلی بار کے مقابلے کانگریس کو ایک سیٹ کا نقصان ہوا اور وہ 7 سیٹیں جیتنے میں کامیاب رہی۔ پچھلی بار کے مقابلے عام آدمی پارٹی کو 2 سیٹیں زیادہ ملیں۔ مجموعی طور پر اس بار اسے 3 سیٹیں ملیں۔ بہوجن سماج پارٹی کے بارے میں یہ افواہ اڑتی رہی کہ وہ 'انڈیا' کے ساتھ آجائے گی لیکن پارٹی کی طرف سے بار بار اس کی تردید کی گئی۔ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ پارٹی کی شکست کے بعد مایاوتی کے نشانے پر مسلمان رہتے ہیں۔ اس بار کی انتخابی شکست کے بعد مایاوتی نے کہا کہ 'بہوجن سماج پارٹی کا خاص حصہ مسلم سماج، جو پچھلے کئی انتخابات میں اور اس بار بھی مناسب نمائندگی دینے کے باوجود بی ایس پی کو ٹھیک سے سمجھ نہیں پا رہا ہے، اب ایسی صورت میں آگے ان کو کافی سوچ سمجھ کر ہی انتخاب میں پارٹی کی طرف سے موقع دیا جائے گا جس سے پارٹی کو مستقبل میں اس بار کی طرح زبردست نقصان نہ ہو۔' بی ایس پی سپریمو مایاوتی کو یہ بتانا چاہیے کہ اگر تمام مسلمان بی ایس پی کو ہی ووٹ دے دیتے تو ان کی پارٹی کتنی سیٹیں جیت لیتی؟ انہیں یہ بھی بتانا چاہیے کہ ان کی پارٹی کے کتنے روایتی ووٹروں نے اسے ووٹ نہیں دیا اور ان کے بارے میں ان کا کیا کہنا ہے؟... خود کو سیکولر کہنے والی پارٹیوں نے اس بار کم مسلم لیڈروں کو امیدوار بنایا۔ اس کے باوجود اچھی تعداد میں مسلمانوں نے جیت حاصل کی، البتہ بی جے پی کی سربراہی میں بننے والی این ڈی اے کی حکومت میں ایک بھی مسلمان کو وزیر نہیں بنایا گیا ہے اور یہ کوئی ایسی بات نہیں جس پر حیرت کا اظہار کیا جائے، البتہ اس سلسلے میں این ڈی اے میں شامل ان پارٹیوں کو اپنا موقف واضح کرنا چاہیے جو مسلم پریم کا دم بھرتی ہیں اور مسلمانوں کی ان سے وابستگی بھی حقیقت ہے۔ اس بار کا 'دستاویز' پارلیمانی انتخابات کے نتائج اور حکومت سازی پر مبنی ہے:

نریندر مودی کی نئی کابینہ کے استحکام اور مستقبل پر اپوزیشن یا عوام الناس کے ذہن میں اس طرح کے اندیشے ہیں کہ یہ حکومت دیرپا ثابت نہیں ہوگی مگر یہ اندیشے غلط ثابت ہو سکتے ہیں۔ نریندر مودی کے ساتھ جنتا دل (متحدہ) اور تیلگو دیشم پارٹی کے لیڈروں کے آنے کی وجوہات جگ ظاہر ہیں۔ نئی کابینہ کو دیکھنے سے بھی یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ وزیراعظم نریندر مودی کے انداز سیاست میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں آئی ہے۔

مودی کی نئی کابینہ
امکانات وخدشات

پروفیسر مشتاق احمد

مرکز میں برسراقتدار بھارتیہ جنتا پارٹی کی نریندر مودی کی قیادت والی حکومت کی پھر واپسی ہوگئی ہے، البتہ اس بار بھارتیہ جنتا پارٹی کو مکمل اکثریت نہیں ملنے کی وجہ سے قومی جمہوری اتحاد کی حکومت تشکیل پائی ہے اور چونکہ اس پارلیمانی انتخابات میں 240 سیٹوں پر کامیاب ہونے والی بھارتیہ جنتا پارٹی سب سے بڑی سیاسی جماعت رہی ہے، اس لیے صدر جمہوریہ نے آئینی تقاضوں کے مدنظر بھارتیہ جنتا پارٹی کے نو منتخب پارلیمانی ممبران کے لیڈر کو حکومت سازی کی دعوت دی اور وہ تیسری بار وطن عزیز ہندوستان کے وزیراعظم کے عہدے پر فائز ہو چکے ہیں۔ ان کی کابینہ کی تشکیل بھی ہوگئی ہے۔ واضح ہو کہ دنیا میں جتنا بھی نظامِ حکومت ہے، ان میں جمہوریت کو نہ صرف مقبولیت اور قبولیت حاصل ہے بلکہ جہاں کہیں جمہوری طرز حکومت نہیں ہے وہاں کے لوگ باگ بھی اس کو حاصل کرنے کے لیے جدوجہد میں مصروف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جمہوریت کے لیے دنیا کے کسی نہ کسی خطے میں آواز بلند ہوتی رہتی ہے۔ ہاں! اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس طرز حکومت میں کچھ ایسی خامیاں ہیں جن کی وجہ سے کبھی کبھی اس کا خمیازہ عوام الناس کو بھگتنا پڑتا ہے۔ دراصل اس طرز حکومت میں بندوں کو تولا نہیں جاتا بلکہ اس کے اعداد وشمار کی بنیاد پر فیصلے ہوتے ہیں۔ یہ مثل مشہور ہے کہ جمہوریت میں 49 کی حیثیت صفر ہے اور 51 کی حیثیت سو کی ہو جاتی ہے کہ 49 ووٹ لا کر بھی کوئی امیدوار ناکام ہو جاتا ہے اور 51 ووٹ کی بدولت کوئی برسراقتدار ہو جاتا ہے۔ یہی ایک معمہ ہے کہ محض دو ووٹ کے فاصلے سے جمہوریت کی تقدیر بدل جاتی ہے، اس لیے کہا جاتا ہے کہ جمہوریت میں ہر شہری کا سنجیدہ ہونا لازمی ہے کہ جمہوریت جذباتیت کو پسند نہیں کرتی۔ ہماری جمہوریت پوری دنیا کے لیے ایک مثالی جمہوریت اس لیے ہے کہ یہاں کسی بھی آمر کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ جب کبھی کسی نے اس جمہوریت کے تانے بانے کو بکھیرنے کی کوشش کی تو نہ صرف وہ ناکام رہا بلکہ اس جیسے ان آمریت پسند لیڈروں کے بھی ہوش ٹھکانے آگئے جو اس کی راہ پر چلنے کا منصوبہ رکھتے تھے۔

بہرکیف، اس بار کے پارلیمانی انتخابات کے نتائج نے یہ ثابت کر دیا کہ ہماری جمہوریت کی جڑیں کتنی مستحکم ہیں اور یہاں کے عوام کے دلوں میں اپنی جمہوری قدروں کی پاسداری کے لیے کس قدر مر مٹنے کا جذبہ ہے۔ واضح ہو کہ حالیہ پارلیمانی انتخابات کے نتائج نے صاف طور پر کسی بھی سیاسی جماعت کو اکثریت نہیں دی ہے۔ ایک طرف برسراقتدار پارٹی اکثریت کے نشانے کو پانے میں ناکام رہی ہے تو دوسری طرف اپوزیشن کو بھی حکومت سازی کا موقع نہیں دیا ہے، البتہ انتخابی عمل سے قبل تشکیل شدہ قومی جمہوری اتحاد کو اکثریت حاصل ہوئی ہے اور اپوزیشن اتحاد 'انڈیا' بھی ایک مضبوط اپوزیشن کے طور پر ابھر کر سامنے آیا ہے لیکن بھارتیہ جنتا پارٹی نے حکومت کا دعویٰ پیش کر کے اقتدار میں واپسی کا راستہ آسان کر لیا کیونکہ اس نے کئی علاقائی جماعتوں کی حمایت حاصل کر لی تھی، بالخصوص آندھرا پردیش میں چندرابابو نائیڈو کی قیادت والی تیلگو دیشم پارٹی کی، جس کے 16 ممبران پارلیمنٹ ہیں، اور بہار میں نتیش کمار کی قیادت والی جنتا دل (متحدہ) کی، جس کے 12 ممبران پارلیمنٹ ہیں۔ اسی کے ساتھ لوک جن شکتی پارٹی (رام بلاس) کی حمایت بھی اس نے حاصل کر لی جس کے لیڈر چراغ پاسوان ہیں اور اس کے 5 ممبران پارلیمنٹ کی حمایت مودی حکومت کو ملی۔ دیگر کئی چھوٹی بڑی سیاسی جماعتیں ہیں جن کی بدولت نریندر مودی تیسری مرتبہ وزیر اعظم بنے ہیں مگر افسوسناک صورتحال یہ ہے کہ قومی ذرائع ابلاغ کی گمرہی اب بھی جاری ہے، اب بھی وہ نریندر مودی کا مقابلہ پنڈت جواہر لعل نہرو سے کر رہے ہیں۔ واضح ہو کہ پنڈت نہرو تین بار وزیر اعظم بنے تھے تو وہ اپنی کانگریس پارٹی کی اکثریت کی بدولت بنے تھے جبکہ نریندر مودی کو اکثریت حاصل نہیں ہے بلکہ ہماری جمہوری خصوصیت کا فائدہ ملا ہے کہ وہ ایک بڑی سیاسی جماعت کے لیڈر کے طور پر حلف لینے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ دراصل ایک دہائی سے ہمارے ملک کے تقریباً 5500 چھوٹے بڑے مختلف زبانوں کے اخبارات اور 240 سے زائد ٹی وی چینلوں اور دیگر سوشل میڈیا کی اکثریت نے تمام تر جمہوری اخلاقیات کے شیرازے بکھیر دیے ہیں اور شخصیت پرستی کی تمام تر حدیں پار کر چکی ہیں۔ ان کی گمرہی سے نہ صرف ہندوستان کی جمہوری شناخت مجروح ہو رہی ہے بلکہ تہذیبی قدریں بھی پارہ پارہ ہو رہی ہیں۔

جہاں تک نریندر مودی کی نئی کابینہ کے استحکام اور مستقبل کا سوال ہے تو اپوزیشن یا عوام الناس کے ذہن میں اس طرح کے اندیشے ہیں کہ یہ حکومت دیرپا ثابت نہیں ہوگی۔ میرے خیال میں یہ اندیشے غلط ثابت ہو سکتے ہیں، کیونکہ اس وقت نریندر مودی کے ساتھ جنتا دل (متحدہ) اور تیلگو دیشم کے لیڈران کیوں کر ساتھ آئے ہیں، اس کے وجوہ جگ ظاہر ہیں، اس لیے نریندر مودی نے حلف برداری کے بعد جو اپنی نئی کابینہ تشکیل دی ہے، اس کو دیکھنے سے ہی یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ ان کے فکر ونظر اور رویے میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ گزشتہ کابینہ کے بیشتر وزرا کو اپنا پرانا محکمہ ہی دیا گیا ہے اور جتنے بھی اہم محکمے ہیں، ان کی باگ ڈور بھی بھارتیہ جنتا پارٹی کے ہی ہاتھوں میں ہے، اس لیے عوام الناس میں یہ چرچا عام ہے کہ اتحادی سیاسی جماعتوں کی کابینہ میں جو محکمے دیے گئے ہیں، وہ صرف خانہ پری والے ہیں اور اپوزیشن اتحاد نے یہ بیانیہ قائم کیا ہے کہ نریندر مودی نے اپنے اتحادیوں کے ہاتھوں میں جھنجھنا تھما دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ نریندر مودی ایک دہائی سے جس تیور سے حکومت کرنے کے عادی ہیں، اس میں کوئی تبدیلی ہونے والی نہیں ہے اور اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ وہ جس وقت چاہیں جنتا دل (متحدہ) اور تیلگو دیشم پارٹی کے وجود کو ختم کر سکتے ہیں۔ انتخابی مرحلے اور نتائج کے بعد نتیش کمار اور چندر بابو نائیڈو نے جس طرح اپنے سر خم کیے ہیں، اس سے یہ پیغام عام ہو چکا ہے کہ وہ نریندر مودی حکومت سے حمایت واپس لینے کی حماقت نہیں کر سکتے اور دیگر علاقائی سیاسی جماعتیں جن کے ایک دو ممبران ہیں، ان کی تو مجبوری ہے کہ وہ موجودہ حکومت کے ساتھ رہ کر ہی اپنی فلاح کے راستے ہموار کریں گے۔ ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ چندر بابو نائیڈو اور نتیش کمار دونوں کی جو علاقائی سیاسی مجبوری ہے، وہ بھارتیہ جنتا پارٹی کے نظریے سے میل نہیں کھاتی، بالخصوص ان دونوں لیڈران کا اقلیتی مسلم طبقے کے تئیں جو نظریہ ہے، وہ بالکل میانہ روی کا ہے جبکہ نریندر مودی نے پارلیمانی انتخابات کے تشہیری جلسوں میں اعلانیہ طور پر ملک کی سب سے بڑے اقلیتی مسلم طبقے کے خلاف کس طرح کا نظریہ پیش کیا، وہ جگ ظاہر ہے، اس لیے ممکن ہے کہ جب کبھی یہ نئی کابینہ مسلم اقلیتی طبقے کے خلاف یا پھر آئین میں تبدیلی کے لیے کوئی قدم اٹھائے گی تو یہ دونوں لیڈران اپنے سیاسی مفاد میں مخالفت کر سکتے ہیں۔ میرے خیال میں نریندر مودی کی نئی کابینہ کے متعلق کسی طرح کی حتمی رائے اس وقت قائم کرنا جلد بازی ہوگی۔ گزشتہ دن آر ایس ایس کے چیف موہن بھاگوت نے بھی ناگپور میں اپنے ایک جلسے میں اشارے کنایے میں نریندر مودی کو آمریت اور ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو نقصان پہنچانے سے پرہیز کرنے کی جو صلاح دی ہے، اس سے بھی یہ امید بنتی ہے۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کو 2014 یا 2019 جیسی اکثریت حاصل نہیں ہے اور اس تلخ حقیقت سے بھی ہم سب واقف ہیں کہ سیاست میں نہ کوئی دائمی دوست ہوتا ہے اور نہ دشمن، ورنہ نریندر مودی، نتیش کمار اور چندر بابو نائیڈو کے متعلق کیا کیا کچھ کہتے رہے ہیں اور وہ دونوں لیڈران بھی وزیر اعظم کے متعلق کس طرح کا نظریہ پیش کرتے رہے ہیں، یہ جگ ظاہر ہے۔ مختصر یہ کہ وزیراعظم نریندر مودی کی نئی کابینہ کی سمت ورفتار کا پتہ تو اسی وقت چلے گا جب اس کابینہ کے وزرا اور بالخصوص ہمارے وزیر اعظم نریندر مودی کے عمل وکردار سامنے آئیں گے، اس لیے اس نئی کابینہ کے تئیں کسی غلط فہمی یا خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپوزیشن اتحاد 'انڈیا' جو ایک مضبوط اتحاد کے طور پر ابھرا ہے، اسے اپنے آئینی و جمہوری فرائض کی انجام دہی کے لیے مستعد وفعال ہونے کی ضرورت ہے کہ اس ملک کی ہمہ رنگ تہذیبی وراثت اور آئینی شناخت کی پاسداری کے لیے ایسا کرنا لازمی ہے۔ ■

وزیراعظم نریندر مودی کی نئی کابینہ کی سمت و رفتار کا پتہ تو اسی وقت چلے گا جب اس کابینہ کے وزرا اور بالخصوص ہمارے وزیراعظم کے عمل وکردار سامنے آئیں گے، اس لیے اس نئی کابینہ کے تئیں کسی غلط فہمی یا خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپوزیشن اتحاد 'انڈیا' جو ایک مضبوط اتحاد کے طور پر ابھرا ہے، اسے اپنے آئینی و جمہوری فرائض کی انجام دہی کے لیے مستعد و فعال ہونے کی ضرورت ہے، کیونکہ اس ملک کی ہمہ رنگ تہذیبی وراثت اور آئینی شناخت کی پاسداری کے لیے یہ لازمی ہے۔

rm.meezan@gmail.com

مسلمانوں کیلئے سوچنے کا مقام

مایاوتی بھوجن سماج پارٹی کی شکست کے لیے ایک سے زیادہ بار مسلمانوں کو موردالزام ٹھہرا چکی ہیں۔ انھیں واضح الفاظ میں یہ بتانا چاھیے کہ جب وہ اقتدار میں تھیں تو مسلمانوں کے لیے انھوں نے کیا کیا خاص کام کیے تھے اور وہ یہ کیوں سوچتی ھیں کہ بڑی تعداد میں مسلمان انھیں کی پارٹی کو ووٹ دیں؟

حالات بدلنے کے لیے سوچنا ہی پڑتا ہے اور مسلمانوں کو بھی اپنے حالات بدلنے کے لیے سب سے پہلے یہ سوچنا چاہیے کہ ان کی کیا حالت ہوگئی ہے۔ خود کو سیکولر کہنے والی پارٹیاں انہیں یہ اطمینان دلانے کی کوشش تو کرتی رہی ہیں کہ ان کی فلاح و بہبود کا انہیں بہت خیال ہے مگر مسلم لیڈروں کو امیدوار بنانے کی بات آتی ہے تو ان کی ترجیحات سامنے آجاتی ہیں۔ مسلم لیڈروں کو امیدوار بنانے سے بڑی سیکولر پارٹیوں کی دلچسپی مسلسل کم کیوں ہو رہی ہے؟ کیا انہیں لگتا ہے کہ زیادہ مسلم لیڈروں کو امیدوار بنانے سے 'مسلم تشٹی کرن' کا الزام ان پر عائد کر دیا جائے گا اور اسی لیے احتیاطاً وہ کم مسلم لیڈروں کو امیدوار بناتی ہیں؟ بات اگر یہی ہے تو پھر مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے وہ کیا بڑے کام کریں گی؟

خود کو سیکولر کہنے والی بڑی پارٹیوں نے 2019 میں 115 مسلم لیڈروں کو امیدوار بنایا تھا، اس بار یہ تعداد 78 ہی رہی۔ صرف 78 مسلم لیڈروں کو ہی امیدوار کیوں بنایا گیا؟ کیا اس کا جواب تلاش نہیں کیا جانا چاہیے؟ جب کوئی ایسی پارٹی میدان انتخاب میں اترتی ہے، جو مسلمانوں سے وابستہ ہے، اور وہ مسلم لیڈروں کو بڑی تعداد میں امیدوار بناتی ہے تو یہ تشہیر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے ووٹوں کی تقسیم کرنا چاہتی ہے تاکہ سیکولر پارٹیوں کے امیدوار ہار جائیں لیکن سیکولر پارٹیاں کم مسلم لیڈروں کو امیدوار کیوں بناتی ہیں، اس پر بات کیوں نہیں ہوتی؟ بہوجن سماج پارٹی کی اس بار شاندار کارکردگی نہیں رہی۔ انتخابی نتائج آنے کے بعد مایاوتی کا کہنا تھا کہ 'بہوجن سماج پارٹی کا خاص حصہ مسلم سماج، جو پچھلے کئی انتخابات میں اور اس بار بھی مناسب نمائندگی دینے کے باوجود بی ایس پی کو ٹھیک سے سمجھ نہیں پا رہا ہے، اب ایسی صورت میں آگے ان کو کافی سوچ سمجھ کر ہی انتخاب میں پارٹی کی طرف سے موقع دیا جائے گا جس سے پارٹی کو مستقبل میں اس بار کی طرح زبردست نقصان نہ ہو۔' مایاوتی بہوجن سماج پارٹی کی شکست کے لیے ایک سے زیادہ بار مسلمانوں کو موردالزام ٹھہرا چکی ہیں۔ انہیں واضح الفاظ میں یہ بتانا چاہیے کہ جب وہ اقتدار میں تھیں تو مسلمانوں کے لیے انہوں نے کیا کیا خاص کام کیے تھے اور وہ یہ کیوں سوچتی ہیں کہ بڑی تعداد میں مسلمان انہیں کی پارٹی کو ووٹ دیں؟ بی جے پی کی سربراہی والے این ڈی اے کی نئی مرکزی حکومت میں ایک بھی مسلم لیڈر کو وزیر نہیں بنایا گیا ہے جبکہ این ڈی اے کی اس حکومت میں تیلگو دیشم پارٹی اور جنتا دل (یونائٹیڈ) شامل ہیں اور دونوں کو بڑی تعداد میں مسلمان ووٹ دیتے ہیں۔ مسلم قائدین کو اپنی قوم کے مفاد کے بارے میں سوچنا چاہیے اور اپنے قول وعمل سے یہ اشارہ دینا چاہیے کہ جو مسلمان کسی پارٹی سے بندھے ہوئے نہیں ہیں، ان کے مفاد کا خیال جو پارٹی رکھے گی، وہ اس کے مفاد کا خیال رکھیں گے، اس سے وابستہ رہیں گے۔ اس کے لیے وہ یہ دیکھیں گے، مسلمانوں کے حق میں باتیں کون پارٹیاں زیادہ کرتی ہیں اور اقتدار میں آنے پر کام کون سی پارٹیاں زیادہ کرتی ہیں۔ فیصلہ کام پر ہی ہونا چاہیے، زبانی وعدوں اور اپنائیت کے اظہار پر نہیں۔ وعدے تو مسلمانوں سے کیے ہی جاتے رہے ہیں لیکن تمام وعدوں کو پورا کرنے کے تئیں بھی اگر سنجیدگی دکھائی جاتی تو مسلمانوں کے وہ حالات نہ ہوتے جو ہیں۔ ■

اپوزیشن پارٹیوں کے اتحاد 'انڈیا' اور حکمراں اتحاد این ڈی اے کے ووٹ شیئر میں صرف 1.9 فیصد کا فرق رہا۔ یہ بات الگ ہے کہ اس فرق کی وجہ سے سیٹیں کم ہوئیں اور اس کا اثر حکومت سازی پر پڑا۔ 'انڈیا' کی پارٹیاں حکومت بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکیں۔

اتحادوں کا ووٹ شیئر

پچھلی بار این ڈی اے اور یو پی اے کے ووٹ شیئر میں کافی فرق تھا۔ اس بار اپوزیشن پارٹیاں ایک مضبوط اتحاد بنانے میں کامیاب رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اتحاد 'انڈیا' اور این ڈی اے کے ووٹ شیئر میں صرف 1.9 فیصد کا فرق رہا۔ یہ بات الگ ہے کہ اس فرق کی وجہ سے سیٹیں کم ہوئیں اور اس کا اثر حکومت سازی پر پڑا۔ 'انڈیا' کی پارٹیاں حکومت بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکیں۔ 2019 میں این ڈی اے کو 353 سیٹیں ملی تھیں۔ اس میں 303 سیٹیں بی جے پی کی تھیں۔ اس بار این ڈی اے کو 293 سیٹیں ملی ہیں۔ اس میں 240 سیٹیں بی جے پی کی ہیں۔ 2019 میں اپوزیشن اتحاد یو پی اے کو 91 سیٹیں ملی تھیں۔ اس میں 52 سیٹیں کانگریس کی تھیں۔ اس بار اپوزیشن اتحاد 'انڈیا' کو 234 سیٹیں ملی ہیں۔ اس میں 99 سیٹیں کانگریس کی ہیں۔

اتحاد	2024	2019
این ڈی اے	42.5 فیصد	45.3 فیصد
'انڈیا'	40.6 فیصد	یہ اتحاد نہیں تھا
یو پی اے	یہ اتحاد نہیں تھا	27.5 فیصد
ایم جی بی	یہ اتحاد نہیں تھا	6.1 فیصد

نوٹ: یو پی اے کی جگہ اس بار اپوزیشن اتحاد 'انڈیا' تھا۔

ایم جی بی یعنی مہاگٹھ بندھن اس بار نہیں تھا۔ 2019 میں اتر پردیش میں اس اتحاد میں سماجوادی پارٹی، بہوجن سماج پارٹی، راشٹریہ لوک دل تھیں۔ اس بار سماجوادی پارٹی 'انڈیا' کا حصہ تھی، راشٹریہ لوک دل این ڈی اے کا جبکہ بہوجن سماج پارٹی نے تنہا انتخاب لڑا۔ ■